احمد بشیر کی علمی خدمات ــــ ایک جائزہ

ڈاکٹر محمد ریاض احمد ریاض

Dr. Muhammad Riaz Ahmad Riaz

Faisalabad.

Abstract:

"Ahmad Bashir was a renowned journalist and a literary icon of Urdu. He wrote essays / articles and columns equally in English and Urdu. Among the various of his journalistic and literary facets, sketch-writing, novel-writing and editorial-writing are worth-mentioning. He got education in film-making from America, and then started film-making and direction in Pakistan. He produced few documentaries, and made the first and the last to date belly film of Pakistan "Chirree Kahaani" that achieved an award in belly film festival of Iran. He chose journalism for making his livelihood, and learnt journalism from Charagh Hassan Hassrat in the daily "Amroz". He was called the founder of Urdu feature-writing. He wrote his debut feature on Gaamma Pehalwaan. After the daily "Amroz", he started writing for the weekly "Qandeel". He never sticked long to a newspaper owing to his truthfulness and ideological thoughts. He exhibited his writing power, along with editorial writing, in both English and Urdu journals and newspapers like: "Chataan", "Lail-o-Nahaar", "Nawa-e-Waqt", "Jang", "Musawaat", "Friday Times", "The Muslim", "The Star", "The News" and "Frontier Post". His last writing, featuring the journalistic; political; analytical and ideological characteristics, continued to publish in the monthly "Naya Zamaana" from Lahore. His style held truthfulness and candidness. He had to write uder different false names due to the

atrocities of the government. He adopted the names of Bhulley Shah, Shah Anyat and Ahmad Khan Kharal for this purpose. He never let the journalistic and literary values fall a prey to worldly strategies and impurities. He was a staunch socialist and flag-bearer of social justice.

احمد بشیر اردو ادب اور صحافت کا ایک معتبر نام ہے۔ انھوں نے زندگی میں بہت سے تجربات کیے اور ان تجربات کی کامیابی اور ناکامی کے ملے جلے سلسلے میں زندگی بسر کی۔ وہ ۲۴ مارچ ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ اور ان کا بچپن ایمن آباد میں گزرا اور ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام شیخ غلامِ حسین تھا جنہوں نے ایم اے تاریخ اور ایم اے فارسی تک تعلیم حاصل کی۔ ایف سی کالج سے ایم اے کرنے کے بعد ایمن آباد کے مقامی سکول میں مدرس ہو گئے۔ یہی سکول احمد بشیر کی ابتدائی تعلیم کے حصول کا اولین تعلیمی مرکز بنا۔ یہاں احمد بشیر نے اپنے ماموں دوست اشفاق حسین اور جگری دوست ڈاکٹر نذیر قیصر کے ساتھ وقت گزارا۔ بچپن اور لڑکپن کے بہت سے خوبصورت لمحات انہیں ساتھیوں کے ساتھ گزارے۔

احمد بشیر کے بزرگ کشمیر سے ہجرت کر کے اس علاقے میں آباد ہوئے۔ مسلمان ہونے سے قبل ان کے بزرگوں کا شجرہ کشمیر کے مشہور مندر شنکر اچاریہ کے پروہتوں، پنڈتوں سے ملتا ہے۔ جو کوشل برہمن تھے۔ یہ لوگ ایمن آباد میں شیخ کہلاتے ہیں۔

ممتاز مفتی احمد بشیر اور ایمن آباد کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''احمد بشیر ایمن آباد کا رہنے والا ہے۔ ۳۴ میل دور اونچی چونے کچی اٹاریوں والا مغلیہ دور کا قصبہ جو ہندو دیوانوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ جہاں بہت سے نومسلم خاندان آباد تھے جو اپنے کو شیخ کہتے تھے۔''(۱)

ایمن آباد کے حالات نے ایسی کروٹ لی کہ احمد بشیر کے والد کی نوکری ختم ہو گئی اور بیروزگاری نے ان کے گھر میں پریشانی بڑھا دی۔ یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا جب شیخ غلام حسین کو سری نگر کے اسلامیہ ہائی سکول میں سیکنڈ ہیڈ ماسٹر کی ملازمت مل گئی۔ احمد بشیر کے والد نے اپنے اہل خانہ کو سری نگر بلا لیا اور احمد بشیر نے بی اے تک تعلیم وہیں حاصل کی۔

کشمیر میں ان کی جوانی کا آغاز ہوا وہاں کی زندگی اور خوبصورتی کا ذکر احمد بشیر نے اپنی کئی تحریروں اور اپنے ناول میں بھی کیا ہے۔ انھوں نے کشمیر سے جہلم اور دہلی جالندھر، راولپنڈی، بمبئی، آسام، بنارس، لکھنؤ، کلکتہ اور دیگر علاقوں میں وقت گزارا۔ بہت سی نوکریاں کیں اور پھر مولانا چراغ حسن سے صحافت کے اسرار و رموز سیکھے۔ اسی ملازمت کے دوران میں ہی ان کی دوسری شادی شیخ عبدالمجید ریلوے گارڈ ساکن ملتان کی صاحبزادی محمودہ خانم سے ہوئی اور یہ رفاقت آخر تک قائم رہی۔ ان کی پہلی شادی چودہ پندرہ سال کی عمر میں ان کے گھر میں رہنے والی ان کی کزن مسرت بیگم سے ہوئی جسے احمد بشیر نے تسلیم نہ کیا اور ممتاز مفتی سے ملنے والی علتوں کے ساتھ ساتھ ''Sowhat'' (سووہاٹ) (۲) کے ملنے والے اعتماد کی بدولت احمد بشیر نے ممتاز مفتی کو ''کھونٹی'' (۳) بناتے ہوئے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی تا کہ اس کی زندگی برباد نہ ہو۔ اس ضمن میں ممتاز مفتی لکھتے ہیں:

''احمد بشیر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تا کہ اس کی زندگی تباہ نہ ہو۔ اور ہم دونوں نے مل کر محاذ قائم کر لیا۔ اس پر ایمن آباد میں ایک طوفان آ گیا۔ بڑی دھول اڑی لیکن بالآخر ہم

روایتی انداز میں احمد بشیر کی دوسری شادی کرنے میں کامیاب ہوگئے اور گھر میں ایک ان دیکھی ان جانی لڑکی مودی آ گئی۔'' (۴)

لاہور سے ملازمت کا سلسلہ ختم ہوا تو احمد بشیر اپنے استاد چراغ حسن کے ہمراہ کراچی ریڈیو پر ملازم ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ ملازمت بھی ختم ہوگئی اور بے روزگاری کی وجہ سے احمد بشیر کو گدھا گاڑی تک چلانا پڑی اور لالوکھیت کے ویران علاقے میں رہنا پڑا اور اس دور میں ''مودی'' (۵) گھر کے خرچ کے لیے سلائی وغیرہ کا کام کرتی تھی۔ احمد بشیر کو ایک دوست کے توسط سے سندھ گورنمنٹ کے شعبہ اطلاعات میں عارضی ملازمت ملی اور کچھ عرصے بعد انٹرویو ہوئے اور احمد بشیر اسسٹنٹ ڈائریکٹر بن گئے۔ حفیظ جالندھری کے محکمہ ویلیج ایڈ میں تبادلہ کروالیا اور یہاں ممتاز مفتی اور ابن انشاء کو بھی بھرتی کروا دیا۔ یہیں ایک نوجوان لڑکی صبیحہ حسن (۶) سے ملاقات ہوئی اور خاصی بے تکلفی کے لمحات اس خاتون کے ساتھ گزارے اور ابن انشاء نے بھی اسی زمانے میں عشق کا روگ پالا تھا۔

۱۹۵۸ء میں احمد بشیر فلم اور فوٹوگرافی کی تربیت لینے امریکی حکومت کے وظیفہ پر امریکہ چلے گئے۔ واپسی پر ڈنمارک (۷) اور جرمنی کی سیاحت کرتے ہوئے پاکستان لوٹے۔ کراچی سے لاہور، ملتان، والدین اور عزیزوں کو ملنے آئے۔ لاہور قیام کے دوران ان کا چھوٹا بھائی دل کی تکلیف کی وجہ سے وفات پا گیا۔

احمد بشیر پانچ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ان سے چھوٹا اختر عکسی تھا اور اس سے چھوٹی ان کی بہن ثریا تھیں۔ ثریا سے چھوٹی پروین عاطف اور ان سے چھوٹا فرخ جمیل تھا، سب وفات پا چکے ہیں۔ پروین عاطف (۸) فیصل آباد میں اپنے بیٹے ظل عاطف کے پاس رہتی رہی ہیں۔ ان دنوں ان کے بیٹے ظلِ عاطف جی سی یونیورسٹی فیصل آباد کے لاء ڈیپارٹمنٹ کو بطور انچارج چلا رہے تھے۔

احمد بشیر کی بیوی محمودہ خانم اور بیٹیاں قلزم اور نیلم لاہور میں رہتی ہیں اور ان کی بیٹی سنبل وفات پا چکی ہیں اور احمد بشیر کی معروف اداکارہ بیٹی بشریٰ انصاری جواب بشریٰ انصاری نہیں رہی (۹) کراچی میں سکونت پذیر ہیں۔ اکلوتے بیٹے ہمایوں عرف ہومی امریکہ میں مستقل آباد ہو چکے ہیں۔

کراچی واپس جا کر احمد بشیر نے فلم بنانی شروع کی پیسہ ختم ہوگیا اور نوکری حفیظ جالندھری سے جھگڑے کی وجہ سے ختم ہوگئی۔ حالات کی گردش احمد بشیر کو لاہور لے آئی۔ یہاں صحراؤں (۱۰) کی دستاویزی فلم بنانے کا کام کیا اور ملنے والی رقم سے فلم مکمل کی اور لوگوں نے فلم مسترد کر دی اور احمد بشیر مشکلات میں گھر گئے۔ فلم کے فلاپ ہونے کے حوالے سے ممتاز مفتی لکھتے ہیں:

> ''احمد بشیر مشکلات سے دبنے والا آدمی نہیں۔ اس نے جدوجہد اور تیز کر دی اور تیز اور تیز۔ مالی وسائل کے راستے میں کھڑی دیوار پر اس نے بار بار سر پٹکا کہ شاید راستہ مل جائے۔ لیکن راستہ نہ ملا اور سر پٹکتے ٹپکتے احمد بشیر نے دم توڑ دیا۔ موت واقع ہوگئی۔ فلم فلاپ ہوگئی۔'' (۱۱)

اس دوران میں ۱۹۶۵ء کی جنگ بھی ہوئی اور اس کی پریشانی کی حامل ''ساڑھ ستی'' (۱۲) اس وقت ختم ہوئی جب احمد بشیر پھر سے امروز میں ''شہر سرائے'' کے نام سے کالم لکھنے لگے۔ اس کے بعد ''مساوات'' کے ادارتی مدیر بن گئے۔ یہاں بھی حکومت کے اکابرین نے انہیں فارغ کروا دیا۔ دوستوں کی محبت سے اسلام آباد میں اسٹیٹ فلم اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل بن گئے۔ اس دوران میں احمد بشیر نے پاکستان کی پہلی اور اب تک کی آخری بیلے فلم ''چڑی کہانی'' کے نام سے بنائی اور ۱۹۷۶ء میں

قائداعظم کے صد سالہ پیدائش کے سال کے حوالے سے قائداعظم پر دستاویزی فلم بنائی، وہ علامہ اقبال پر بھی ایسی فلم بنانا چاہتے تھے مگر مولانا کوثر نیازی نے ان کے منصوبے کو مسترد کر دیا۔ جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے دوران میں ان کی نوکری ختم ہو گئی۔ لاہور آ کر انھوں نے انگریزی اور اردو اخبارات میں کالم اور مضامین لکھے اور آمریت کے خلاف لکھنے کی وجہ سے کئی نوکریوں سے نکال دیا گیا اور انھوں نے نام بدل کر لکھنا شروع کر دیا وہ بلھے شاہ، شاہ عنایت اور احمد خان کھرل کے قلمی ناموں سے لکھتے رہے۔ مگر ان کا انداز نگارش چھپائے نہ چھپتا تھا۔ فرنٹیئر پوسٹ نے حکومتی دباؤ مسترد کرتے ہوئے احمد بشیر کو مسلسل چھاپا اور اس کی وجہ سے اخبار کو بہت نقصان اٹھانا پڑا مگر اخبار کے مالک رحمت شاہ آفریدی نے اس کی پرواہ نہ کی اور آخری صحافتی سلسلہ احمد بشیر کا ماہنامہ نیاز زمانہ کے ساتھ چلا جہاں وہ مئی ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۴ء تک مسلسل مضامین لکھتے رہے۔

اس سے قبل ۱۹۴۸ء سے خاکہ نگاری کا شروع کیا ہوا سلسلہ بھی پروان چڑھتا رہا اور مختلف اخبارات اور جرائد میں یہ خاکے چھپتے رہے۔ ۱۹۹۶ء میں یونس جاوید نے ان خاکوں کی تجمیع کا فریضہ انجام دیا اور اسے کتابی صورت میں ''جو ملے تھے راستے میں'' کے نام سے چھپوا دیا۔ اس کتاب کی اشاعت نے احمد بشیر کی علمی، ادبی، قلمی مہارت اور بے باکی کی عظمت کو چار چاند لگا دیے اور ان کی ادبی حیثیت پر تصدیق کی مہر لگا دی اور ساتھ ان پر علماء نے قتل کا فتویٰ لگا دیا۔ (۱۳)

۱۹۹۸ء میں ان کے انگریزی مضامین پر مشتمل انتخاب ''Dancing with wolves'' کے نام سے جنگ پبلشرز نے شائع کیا۔ یہ مضامین ان کی انگریزی زبان پر کامل دسترس کے عکاس ہیں اور تاریخ اور تحریک پاکستان، کمیونزم، جمالیاتی، سماجی، سیاسی اور معاشی موضوعات پر مشتمل یہ مضامین احمد بشیر کی سیاسی اور علمی بصیرت، تاریخی شعور اور جداگانہ انداز نگارش کے ترجمان ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں حکومت نے انہیں علمی، ادبی اور صحافتی خدمات پر تمغہ حسن کارکردگی (پرائیڈ آف پرفارمنس) دیا۔ انھوں نے اپنی بیتی کو ناول کے انداز میں لکھا۔ ۹۸۰ صفحات پر مشتمل اس خودنوشت سوانح حیات کا نام ''دل بھٹکے گا'' ہے۔ اس ناول میں ان تمام دوستوں ساتھیوں، مردوں اور عورتوں کے متعلق بھی معلومات موجود ہیں جس طرح سے ان کے ساتھ احمد بشیر کی زندگی کے لمحات بسر ہوئے۔ اس ناول میں احمد بشیر کے کردار کا نام جمال ہے اور بعض کرداروں کے نام وہی ہیں کچھ تبدیل کر دیے ہیں نام تبدیل کیے گئے کرداروں میں حمید اختر کا نام وحید ہے۔ صبیحہ حسن کا نام آہو ہے، ابنِ انشاء کا نام بیدل صحرائی ہے اور بھی بہت سے کردار منظر پر آ کر چلے جاتے ہیں اور ناول میں موجود کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اس میں جنرل ضیاء کے آخری سالوں تک کا ذکر موجود ہے۔ احمد بشیر کی زندگی میں شائع ہونے والی آخری کتاب شعیب عادل ایڈیٹر ماہنامہ نیا زمانہ نے ''خون جگر ہونے تک'' کے نام سے شائع کی کتاب نیا زمانہ میں مئی ۲۰۰۰ء سے مئی ۲۰۰۴ء تک طبع ہونے والے چھیالیس مضامین پر مشتمل ہے اور اس میں بھی انگریزی مضامین کی طرح موضوعات کا تنوع ہے۔

۱۹۹۸ء میں احمد بشیر کے ہم نام صحافی وفات پا گئے تو احباب احمد بشیر کے گھر فون کرنے لگے اور آگے سے احمد بشیر خود بول رہے تھے۔ اخبار والوں نے خبر فوت ہونے والے احمد بشیر کی لگا دی تھی اور تصویر زندہ احمد بشیر کی لگا دی تھی۔ اس واقعہ کے چھ سال بعد ان کی وفات ۲۵ دسمبر ۲۰۰۴ء کو ہوئی اور ۲۶ دسمبر ۲۰۰۴ء کو علمی، فلمی، ادبی، سماجی، سیاسی اور صحافتی دنیا کے بہت سے احباب نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی جو مین مارکیٹ گلبرگ لاہور کی گراؤنڈ میں ادا کی گئی اور مین مارکیٹ سے ملحقہ قبرستان میں ایک درخت کے سائے میں تیار شدہ لحد میں انہیں اتار دیا گیا۔

ان کی وفات کے قریباً ڈیڑھ سال بعد ان کی سفرنامہ نگار، افسانہ نگار اور ناول نگار بیٹی نیلم احمد بشیر نے ان کے دستیاب

خطوط پر مشتمل کتاب ''خطوں میں خوشبو' کے نام سے شائع کی۔ اس کتاب میں سوا سو کے قریب خطوط ہیں جو انھوں نے اپنی بیوی، اپنی بیٹیوں، اپنے دامادوں، نواسے نواسیوں، کے علاوہ اپنے دوستوں ممتاز مفتی جمیل الدین عالی، ارشاد احمد حقانی افتخار، عارف اور اپنے منہ بولے بیٹے مجید کے نام لکھے ہیں۔ ان خطوط میں بھی ان کے قلمی اعجاز کے رنگوں کی منفرد خوشبو خوبصورت لفظوں کی صورت میں موجود ہے۔ اور علمی و ادبی بحث بھی ملتی ہے اور تاریخی حوالوں کا ذکر بھی یہ خطوط اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ساتھ ساتھ احمد بشیر کی زندگی کی لفظی تصویریں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں اور احمد بشیر کے اشتیاق کے عالم کی کیفیات بھی ان خطوط میں موجود ہیں جس کے متعلق ممتاز مفتی لکھتے ہیں:

''اشتیاق کے عالم میں ننگی اور فحش گالیاں دینا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔''(۱۴)

اور اس مشغلے کے علاوہ ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے متعلق ان کی معلومات اور ادویات کا ذکر بھی ان خطوط میں کافی ہوا ہے۔ اور ان خطوں میں وہ بے ساختگی موجود ہے جو لکھنے والے کے اس جذبے کی غماز ہے کہ یہ باتیں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ تک ہی محدود رہیں گی۔ اب تک احمد بشیر کی آ؟خری کتاب جو طبع ہوئی اس کا نام میں اور احمد بشیر، خونی لکیر ہے۔ اس چھوٹی سی کتاتب کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ان بیگم نے لکھا ہے اور دوسرا حصہ احمد بشیر کے جوہر قلم کا نتیجہ ہے۔(۱۵) اسے ۲۰۱۶ء میں سنگِ میل پبلشرز لاہور نے شائع کیا۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ممتاز مفتی، غنڈہ، مشمولہ: جو ملے تھے راستے میں، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۶ء، ص:۵۰

۲۔ احمد بشیر کو ممتاز مفتی نے پریشانیوں سے بچنے اور نہ گھبرانے کے لیے یہ گر بتایا تھا۔

۳۔ ممتاز مفتی احمد بشیر کی ''کھوٹی'' بنے اور انہیں زندگی گزارنے اور پریشانیوں پر سوٹ کہنے کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ ممتاز مفتی، غنڈہ، مشمولہ: جو ملے تھے راستے میں، ص:۶۴

۵۔ احمد بشیر کی دوسری بیوی محمودہ خانم کا مختصر نام (عرفی)

۶۔ صبیحہ حسن معروف صحافی، سابق سفیر امریکہ، سابق وزیر اطلاعات ونشریات شیری رحمٰن کی والدہ ہیں اور کراچی میں رہتی ہیں۔

۷۔ ڈنمارک میں احمد بشیر کے دوست اوول اور یون تے جو احمد بشیر کے میزبان بنے اور اس دورے کی تفصیل ''دل بھٹکے گا'' میں موجود ہے۔

۸۔ پروین عاطف معروف عسکری شخصیت بریگیڈیئر عاطف کی زوجہ تھیں۔ قومی ہاکی ٹیم کے کوچ اور مینجر بھی رہے۔ وہ پروین عاطف کی وفات سے کچھ عرصہ قبل اسلام آباد میں وفات پا گئے۔

۹۔ بشریٰ صاحبہ محترم اقبال انصاری سابق پروڈیوسر PTV سے طلاق کے بعد اداکار اقبال حسین سے شادی کر چکی ہیں۔

۱۰۔ احمد بشیر کو حکومت کی طرف سے ملکی صحراؤں پر دستاویزی فلم بنانے کا پراجیکٹ ملا تھا اور اسے فلمانے کے لیے وہ چولستان، تھرپارکر اور دالبندین گئے اور وہاں کے صحرائی حسن کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کیا۔

۱۱۔ ممتاز مفتی، غنڈہ، مشمولہ: جو ملے تھے راستے میں، ص:۷۵

۱۲۔ علم جعفر کی اصلاح جس کا مطلب کسی شخص کا ساڑھے سات سال تک پریشانیوں میں گھرے رہنا ہے۔

۱۳۔ احمد بشیر نے روزنامہ امروز میں ملازمت کے لیے انٹرویو دینے کے لیے گئے۔ اس دوران میں گپ شپ حد سے بڑھ گئی اور بے تکلفی کا سلسلہ مے نوشی تک پہنچ گیا اور شام اس بازار میں راگ رنگ کے سلسلے میں گزاری۔ اس مے نوشی کے ذکر پر قریباً ۵۰ سال بعد خاکے چھپنے پر علماء نے

احمد بشیر پر قتل کا فتویٰ جاری کیا تھا۔

۱۴۔ ممتاز مفتی، غنڈہ، مشمولہ: جو ملے تھے راستے میں، ص: ۶۵

۱۵۔ خونی لکیر دراصل قیام پاکستان کے دوران میں سے چند واقعات پر مشتمل ہے۔ اسے احمد بشیر نے پنجابی میں ''سوہا چیرا'' کے نام سے لکھا تھا جسے اشاعت کے لیے کچھ ہندوستانی سکھ دوستوں کو دیا گیا مگر انھوں نے اسے انڈیا سے شائع کرنے سے معذرت کر لی۔ نیلم باجی نے راقم کو بتایا کہ یہ غیر طبع تحریر سبط الحسن ضیغم صاحب کے پاس ہے۔ میں (راقم) ان سے ملا تو انھوں نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہے۔ ابھی تک وہ تحریر گمنامی کی لذتوں سے ہمکنار ہے۔ دیکھیں وہ کب منصۂ شہود پر آتی ہے۔

☆......☆......☆